© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

خرم مراد

جماعتِ اسلامی پاکستان کی مرکزی مجلس شوریٰ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۸ - ۲۲ اگست میں اپنی مستقبل کی حکمتِ عملی کے بنیادی خطوط کے بارہ میں جو اہم قرارداد منظور کی ہے' ہمارے نزدیک اس کے چار نکات خصوصی اہمیت کے حامل ہیں:

ایک : عوام کی دینی تعلیم و تربیت کی ملک گیر مہم۔

دوسرے : قوم کو جذبہ جہاد سے سرشار کرنا' اور جہاد کشمیر کی امداد و حمایت کے لیے متحرک و متحد کرنا۔

تیسرے : نوجوانوں اور خواتین کو خصوصی طور پر دعوتِ اسلامی' اصلاحِ معاشرہ اور اقامتِ دین کے لیے منظم و متحرک کرنا۔

چوتھے : خیر' جہاں بھی ہو اور جتنا بھی لوگوں میں پایا جاتا ہو' اسے ایک پلیٹ فارم پر مجتمع اور منظم کرنا۔

ان میں سے کوئی نکتہ بھی بالکل نیا نہیں' لیکن ظاہر ہے کہ صرف پرانی باتوں کو دہرا دینا مقصود نہیں ہو سکتا۔ جس توجہ اور محنت سے' جس انداز میں' جن معنوں میں' اور جن تدابیر کے ذریعہ اب یہ کام کرنا چاہیے' اسی کی بنا پر انھیں قرارداد میں شامل کیا گیا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ آج کے دَور میں ان نکات کے مفہوم و مطلوب اور تقاضوں کو اچھی طرح سمجھا جائے' اور ان کو عملی جامہ پہنانے کے لیے پورے جوش و جذبہ' انتھک محنت اور بڑی حکمت کے ساتھ تمام موزوں اور ممکن تدابیر اختیار کی جائیں۔

عام مسلمانوں کی دینی تعلیم و تربیت آج وقت کی سب سے بڑی ضرورت اور تحریکِ اسلامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے بہت بڑا چیلنج ہے۔ اقامتِ دین کے لیے جہاں یہ ضروری ہے کہ سیرت و کردار اور صلاحیتوں کے لحاظ سے مطلوب معیار کے جاں نثاروں اور سرفروشوں کا ایک منظم گروہ موجود ہو' وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ عوام میں ایمان' نیکی اور جہاد کی روح غالب اور کارفرما ہو۔

جماعتِ اسلامی کے مستقل لائحہ عمل کے تیسرے جزو --- اجتماعی اصلاح کی سعی --- کا دائرہ اگرچہ معاشرہ کی ہمہ گیر اصلاح پر محیط ہے' مگر اس کی روح' بنیاد اور غالب حصہ عوام کی دینی اور اخلاقی تعلیم و تربیت ہی پر مشتمل ہے۔ اسی تعلیم و تربیت کی بنیاد پر معاشرہ کی ہمہ گیر اصلاح کی عمارت اٹھ سکتی ہے' اور یہ بات سید مودودیؒ نے بالکل واضح کردی تھی کہ معاشرہ کی اصلاح' نظامِ صالح کا قیام' نفاذِ شریعت اور زمامِ کار کی تبدیلی ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ "معاشرہ کی اصلاح و تعمیر کے لیے اپنی کوششوں کا دائرہ اتنا ہی بڑھاتے چلے جائیں جتنا آپ کی طاقت بڑھے' تاکہ معاشرہ اس نظامِ صالح کو لانے اور سہارنے کے لیے زیادہ سے زیادہ تیار ہوتا جائے جسے آپ لانا چاہتے ہیں (تحریک اسلامی کا آیندہ لائحہ عمل' ص ۱۹۹)۔ "ایک صالح قیادت اسی طرح بروئے کار لائی جاسکتی ہے کہ ہم اپنے لائحہ عمل کے چاروں اجزا پر بیک وقت کام کریں' اور توازن کے ساتھ ان چاروں گوشوں میں کام کرتے ہوئے اس طرح آگے بڑھیں کہ افکار کی تعمیرو تطہیر' صالح افراد کی تنظیم اور معاشرہ کی اصلاح کا جتنا جتنا کام ہوتا جائے' اسی نسبت سے ملک کے سیاسی نظام میں دین کے حامی عنصر کا نفوذ و اثر بڑھتا جائے (ایضاً' ص ۲۲۶)۔ انتخابات وہ پیمانہ ہے جس سے آپ یہ معلوم کرلیں گے کہ "چند سال تک آپ نے معاشرہ کی اصلاح کے لیے جو محنت کی ہے' اس سے حقیقت میں کتنی اصلاح ہوئی اور کتنی ابھی کرنی باقی ہے (ایضاً' ص ۲۱۳)۔

حکمتِ عملی کی قرارداد میں یہ اعتراف مضمر ہے --- اور اس اعتراف میں کوئی تامّل نہیں ہونا چاہیے کیونکہ دین کے حامی عناصر کا اثر و نفوذ اور انتخابات کا پیمانہ بھی یہی بتا رہا ہے --- کہ ہم توازن برقرار رکھنے میں کامیاب نہیں ہوئے ہیں' اور نفاذِ شریعت کو لانے اور سہارنے کے لیے معاشرہ کی تیاری و استعداد میں مطلوب اضافہ نہیں ہوا۔ بلکہ ملک مسلسل جس معاشرتی' سیاسی اور معاشی بحران کا شکار ہے' اس کا اصل سبب بھی اس کا دینی اور اخلاقی بگاڑ ہے۔

آج پاکستان' بلکہ پورا عالمِ اسلام' جس دینی و اخلاقی بگاڑ میں مبتلا ہے' اس کی تصویر ہم کم و بیش ان الفاظ میں بڑی اچھی طرح دیکھ سکتے ہیں جن کے ذریعہ ایک معاصر صاحبِ علم و فضل نے پانچویں صدی ہجری کے بغداد کا نقشہ کھینچا ہے: مسلمانوں کی بڑی تعداد علمی شبہات' خصوصی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امراض اور دین سے نفور کے بجائے عام اخلاقی کمزوریوں' عملی کوتاہیوں اور غفلت و جہالت کا شکار ہے۔ مسلسل تہذیبی زوال' صدیوں کی غلامی اور نااہل و مطلق العنان حکومتوں نے ان کے اخلاق کو بُری طرح متاثر کیا ہے۔ بڑی تعداد میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہوگیا ہے جس کا مقصدِ زندگی حصولِ دولت یا جاہ و عزت ہے' اور جو اگرچہ اعتقادی طور پر اور آخرت کا منکر نہیں' مگر عملاً خدا فراموش' آخرت سے غافل اور عیش و عشرت میں مست ہے۔ مغربی' ہندوی اور عجمی تہذیب و معاشرت نے بھی اسلامی زندگی میں اپنے پنجے گاڑ رکھے ہیں' اور ان کی عادات و فیشن اور جاہلی رسوم جزوِ زندگی بن گئی ہیں۔ زندگی کا معیار بہت بلند ہوگیا ہے' سوسائٹی کے مطالبات بہت بڑھ گئے ہیں۔ حکّام رَس' مزاج شناس' موقع پرست لوگوں کی ایک مستقل قوم پیدا ہوگئی ہے۔ متوسط طبقہ اُمرا کے نقش قدم پر ہے' اور عوام متوسط طبقہ کے اخلاق و عادات سے متاثر ہو رہے ہیں۔ جن کو وسائلِ معیشت حاصل ہیں' وہ غلط طریقہ پر ان کو استعمال کر رہے ہیں اور زندگی سے تمتع اور لطف اندوزی میں مصروف ہیں۔ جو امیرانہ ٹھاٹ باٹ سے محروم ہیں' وہ محرومی کی کوفت اور مسابقت کی آگ میں جل رہے ہیں۔ اہل دولت' ایثار و ہمدردی اور جذبۂ شکر سے خالی ہیں' اور تنگ حال' صبرو قناعت اور یقین و خودداری سے محروم۔ (سیّد ابوالحسن علی ندوی' تاریخ دعوت و عزیمت' ج ۱' ص ۲۴۹)

اس اخلاقی بگاڑ کے ساتھ ملک اور ملّت ان عظیم خطرات کا بھی کامیابی کے ساتھ مقابلہ نہیں کرسکتے' نہ ان امکانات سے پورا فائدہ اٹھا سکتے' جو تاریخ کے بہاؤ نے سامنے لاکھڑے کیے ہیں۔ کیونکہ' جو قرآن کو سچ مانتا ہے وہ جانتا ہے کہ مسلمانوں کی قوت و ترقی کا راز نہ قومی دولت کی مقدار اور پیداوار میں اضافہ میں ہے' نہ معاشی ترقی کی سالانہ شرح میں' نہ اسبابِ زندگی کی فراوانی میں' نہ سائنس اور ٹیکنالوجی میں' نہ شرح خواندگی میں۔ یہ سب چیزیں ضروری ہیں' ان کے لیے کوشش بھی ضروری ہے' لیکن بتا دیا گیا ہے کہ یہ صرف اسی صورت میں حاصل ہوں گی کہ ایمان اور تقویٰ حاصل ہو۔ جو مومن اور مجاہد ہوں وہی سربلند اور معزز ہوں گے۔ جو صرف اللہ کے بندے ہوں' زمین کی خلافت کی بشارت ان ہی کے لیے ہے۔ جو صبر اور تقویٰ کے حامل ہوں وہی دشمن کے ہر کید کے ضرر سے محفوظ ہوں گے۔ اس کے علاوہ مسلمان جو راہ اختیار کریں گے وہ کھوٹی ہوگی' ہر تدبیر رائیگاں جائے گی' ہر منصوبہ لاحاصل رہے گا۔ ساری امت کی' اور بالخصوص ہمارے پاکستان کی' تقریباً نصف صدی کی تاریخ اس حقیقت پر گواہ ہے۔

عدمِ توازن' یا کسی پہلو سے لائحۂ عمل پر عملدرآمد میں کمی اور ناکامی کی بنا پر نہ پہلے کسی جز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو ساقط کیا گیا' نہ آج کیا جاسکتا ہے۔ مگر کمی اور ناکامی کا مداوا کرنے اور توازن کو بحال کرنے کے لیے ہر ممکن طریقہ سے بھرپور کوشش ناگزیر ہے۔ خصوصاً اگر معاملہ عوامی اصلاح و تربیت کا ہو جس کی حیثیت پورے لائحہ عمل میں ریڑھ کی ہڈی کی ہے۔

مسلمان عوام کی اصلاح' ان کی دینی تعلیم و تربیت اور ان میں ایمان و جہاد کی روح پھونکنے کے سوا کسی اور طریقہ سے ممکن نہیں۔ دینی تعلیم و تربیت کے لیے دین کا علم پھیلانا ضروری ہے' مگر یہ کافی نہیں جب تک ان میں اس پر عمل کی استعداد بھی نہ پیدا ہو۔ دینی تعلیم میں قرآن مجید کی تعلیم کو سب سے اہم اور مرکزی حیثیت دینا ناگزیر ہے' لیکن صرف قرآن مجید کے دروس سن لینے اور اس کے معانی کا علم ہو جانے سے بھی کام نہیں بنے گا جب تک دل میں قرآن نہ اترے اور اس کے پیچھے چلنے کا ذوق اور شوق نہ ہو۔ لوگوں کو نمازی' پرہیزگار اور صحیح العقیدہ بنانا بھی ضروری ہے' لیکن اس سے بھی مطلوب حاصل نہ ہوگا جب تک لوگ فیصلہ کے وقت ہر تعصب' خوف' محبت اور لالچ سے بالاتر ہو کر اپنا وزن اقامت دین کے پلڑے میں ڈالنے کے لیے تیار نہ ہوں۔ رسمی طور پر ہفتے منا لینے' مہمات چلانے اور پوسٹر اور اسٹکرز چسپاں کرنے سے بھی یہ مقصد ہرگز پورا نہ ہوگا۔ جماعت کے رائج تربیتی پروگرام بھی مفید مطلب نہیں کہ ان میں عام لوگوں کی شرکت ہی نہیں۔ ان سے صرف عوام کے لیے مربی تیار ہو سکتے ہیں' اگرچہ چالیس سالہ تجربہ کے بعد اس پہلو سے بھی ان کی تشکیل نو کی شدید ضرورت ہے۔

اس وقت جب کہ ہماری زندگی ایک بحرانی کیفیت میں مبتلا ہے' ہمیں دراصل ایک ایسی "عوامی" دعوت و تحریک برپا کرنے کی ضرورت ہے جو عام مسلمانوں میں' ایمان کی حلاوت اور حرارت پیدا کرے' اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور وفاداری ان کے دلوں میں اتارے' آخرت کو ان کے لیے یقینی اور حقیقی بنائے' انھیں اپنے ربّ سے ملاقات کی تیاری میں لگائے' ان کے اندر جنت اور اطاعتِ الٰہی کا شوق' دوزخ کا خوف اور گناہوں سے توبہ و استغفار کا ذوق پیدا کرے' اربابِ دولت و اقتدار کی بے وقعتی اور مادی اسباب کی کمزوری کو ان پر آشکار کرے' ان کو اخلاقِ حسنہ' خصوصاً امانت و دیانت' پاسِ عہد' احترامِ آدمیت' عدل واحسان اور باہمی رحمت و محبت' کی طلب میں کوشاں کرے' اور ان کے اندر جذبۂ جہاد بیدار کرے۔ اقامتِ دین ہو یا امّت کا احیا' پاکستان میں نفاذِ شریعت ہو یا اس کی ترقی و استحکام' یا ان مقاصد کے لیے زمامِ کار کی تبدیلی' ایسی تحریک برپا کیے بغیر ممکن نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بظاہر اتنی اعلیٰ خصوصیات کا عوامی پیمانہ پر حصول ناممکن نظر آتا' مایوسی طاری ہونے لگتی ہے' اور ہمت اور حوصلے جواب دینے لگتے ہیں۔ لیکن اگر انسانی معاشروں کے بارہ میں "غیرفطری" توقعات رکھنے کے بجائے یہ حقیقت پیشِ نظر رہے کہ وہ "انسانی" ہوتے ہیں' تو مایوسی اور پست ہمتی پر قابو پانا کچھ مشکل نہیں۔ جس طرح ایک عام انسان کی زندگی میں نیکی اور برائی دنوں ملی جلی موجود رہتی ہیں (خلطوا عملاً صالحا و آخر سیئا)' کیفیات میں نشیب و فراز ہوتا ہے' کبھی وہ اللہ کو یاد رکھتا ہے اور کبھی بھول جاتا ہے' کبھی ارادہ کا پکا اور کبھی کچا ثابت ہوتا ہے' یہی حال عام معاشرہ کا بھی ہوتا ہے۔ اس میں نیک بھی ہوں گے اور بد بھی' اس مطلوبہ رو کے خلاف چلنے والے ہوں گے' بعض اپنی اغراض کے لیے رَو میں بہنے والے ہوں گے' بعض صرف ساتھ آکر بیٹھ جانے والے ہوں گے' بعض کو ان مطلوبہ خصوصیات کا کثیر حصہ ملے گا اور بعض کو صرف رتی بھر' بعض پاکر کھو دیں گے اور کھونے کے بعد پھر طلب میں کوشاں ہوں گے ---- لیکن بحیثیت مجموعی معاشرہ میں خیر اور صلاح' خدا پرستی اور آخرت طلبی' محبت اور اطاعت کی رَو جاری رہے گی۔ اس سلسلہ میں' مدینہ کا اوّلیں معاشرہ ہمیشہ ہمارے سامنے رہنا چاہیے۔ وہ ایک مثالی معاشرہ تھا' اور ساتھ ہی ایک انسانی معاشرہ کی ان تمام فطری خصوصیات کا حامل بھی' جن کو ہم نے مختصراً یہاں بیان کیا ہے۔

اس طرز کی عوامی اصلاح جاری ہونے کے نظائر ہماری تاریخ میں بے شمار موجود ہیں۔ ماضی قریب ہی میں' شاہ ولی اللہؒ اور ان کے دو بیٹوں نے فارسی اور اردو میں قرآن مجید کے ترجمے کرکے' اور براہِ راست قرآن مجید کی تعلیم کے سلسلے جاری کرکے' عام مسلمانوں تک قرآنی پیغام قرآن کی زبان میں پہنچانے کی جو تحریک برپا کی' اس کے پچھلے تین سو سال کے فیوض و برکات کا حساب کوئی مورخ نہیں لگا سکتا۔ پھر سید احمد شہیدؒ نے اپنی تحریک جہاد کے لیے' اور اس کے ذریعہ' ہفتوں اور مہینوں میں جس طرح لاکھوں لوگوں کے قلوب کو جگایا' ان کے اندر ایمان کی حرارت پیدا کی' انھیں راہِ توحید پر گامزن کیا اور شرک و بدعات سے دُور کیا' اور جذبہ جہاد سے سرشار کیا' وہ ایک مثالی عوامی اصلاحی تحریک کا کام تھا۔ جہاں سے وہ گزر جاتے تھے وہاں ایمان اور توبہ و استغفار کی ایک رَو دوڑ جاتی تھی۔ حتیٰ کہ ڈھاکہ وہ خود نہ جاسکے' لیکن جو علاقے آج بنگلہ دیش میں ہیں وہ برسوں ملک کے دوسرے کنارہ پر سرحد میں تحریکِ جہاد کے پشتیبان بنے رہے۔ بظاہر یہ تحریک ۱۸۳۲ میں بالاکوٹ میں "ناکام" ہوگئی' لیکن کون انکار کرسکتا ہے کہ آج تک برّصغیر میں جو دینی اور ایمانی زندگی اور حرکت و حرارت پائی جاتی ہے' وہ بڑی حد تک انھی کی تحریک کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فیض ہے۔ پھر یہ سارا کام اس دور میں ہوا جب اغیار سر پر پہنچ چکے تھے، مسلمانوں کی حکومت منہدم ہو رہی تھی، اور امت مسلمہ زوال و بگاڑ کی انتہائی پستیوں میں مبتلا تھی۔ اسی طرح پانچویں صدی ہجری کے بغداد میں، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے وسیع پیمانہ پر عوامی اصلاح کی تحریک برپا کی، اور ہمارے قریب کے زمانہ میں نائیجیریا میں شیخ عثمان دان فودیو نے تو نہ صرف عوامی اصلاح اور جہاد کی تحریک برپا کی، بلکہ بالفعل ایک اسلامی ریاست قائم بھی کر دی۔

سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں : اللہ تعالٰی نے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے قلب کی توجہ اور زبان کی تاثیر سے لاکھوں انسانوں کو نئی ایمانی زندگی عطا فرمائی۔ آپ کا وجود اسلام کے لیے ایک بادِ بہاری تھا جس نے دلوں کے قبرستان میں نئی جان ڈال دی اور عالم اسلام میں ایمان و روحانیت کی نئی لہر پیدا کر دی۔ شیخ محمد عمر کیسانیؒ کہتے ہیں کہ کوئی مجلس ایسی نہ ہوتی تھی جس میں یہودی اور عیسائی اسلام نہ قبول کرتے ہوں، اور رہزن، خونی اور جرائم پیشہ توبہ سے مشرف نہ ہوتے ہوں، فاسد الاعتقاد اپنے غلط عقاید سے توبہ نہ کرتے ہوں۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ بغداد کی آبادی کا بڑا حصہ آپ کے ہاتھ پر توبہ سے مشرف ہوا۔ (ایضاً، ج ۱، ص ۲۵۸)

سید احمد شہیدؒ کے بارے میں وہ لکھتے ہیں : "مصلحین اور علماو مشائخ نے بے شبہ اسلام کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، اور دے رہے ہیں۔ ہزاروں بندگان خدا کو ان سے ہدایت نصیب ہوئی، ہزاروں کو ان کی وجہ سے کلمہ نصیب ہوا، ہزاروں کے خاتمے اچھے ہوئے، آج بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیض ان سے جاری ہے، لیکن ان سب کے حلقے اور عمل کے دائرے محدود ہیں۔

سید صاحبؒ نے اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھا کہ حکومتِ الٰہی کے قیام اور اسلامی نظامِ حیات و قوانین و حدود کے اجرا اور ماحول کی تبدیلی کے بغیر یہ سب کوششیں "کوہ کندن دکاہ بر آوردن" ثابت ہوں گی۔ صرف چند لوگوں کی اصلاح ہوگی، لیکن ضرورت فضا بدلنے اور جڑ مضبوط کرنے کی ہے۔ آپ اسی نقشہ پر کام کرنا چاہتے تھے، جس پر رسول اللہؐ اور آپؐ کے خلفائے راشدینؓ نے کیا۔ اور تجربہ یہ ہے کہ سب سے زیادہ اور پائیدار کامیابی اسی کو ہوئی اور قیامت تک اسلام کی ترقی کے لیے وہی نظامِ عمل ہے . . .

اس کے بعد سید صاحبؒ کی ایک اور خصوصیت پر نظر ڈالیے۔ وہ یہ کہ آپ نے تھوڑے زمانہ میں ایک دینی فضا قائم کر دی، اور ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جس کی صحیح تعریف یہ ہے کہ وہ تیرھویں صدی میں صحابہؓ کا نمونہ تھے : ایک رنگ میں رنگے ہوئے، ایک سانچہ میں ڈھلے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئے' اللہ کے لیے جان دینے والے' شریعت پر جینے اور مرنے والے' بدعتوں سے نفور' شرک کے دشمن' جہاد کے نشہ میں سرشار' متقی اور عبادت گزار' اور بڑی بات یہ ہے کہ ہم رنگ و یک آہنگ ــــ کیفیاتِ ایمان کے جان نواز جھونکے تاریخِ اسلام میں بارہا چلے ہیں' لیکن ایمان و یقین اور خلوص و للّٰہیت کی ایسی بادِ بہاری ہمارے علم میں کم سے کم اس ملک میں اس سے پہلے نہیں چلی۔ (ایضاً ج ۶' ص ۵۶ تا ۶۰)

ان تاریخی نظائر میں ایک بنیادی چیز جو مشترک ہے ــــ اور جو رسول اللہؐ کے اُسوۂ حسنہ کے اِتباع ہی کی وجہ سے مشترک ہے ــــ وہ' آج کی زبان میں "عوامیت" اور قرآن کی زبان میں "للنّاس" ہے۔ یعنی ان شخصیتوں اور جماعتوں نے عوام النّاس کی اصلاح و تربیت کا بیڑا اٹھایا' ان سے گہرا اور وسیع ربط و ضبط رکھا' انھی کے درمیان رہے' انھی کے ہو کر رہے' ان میں سے گناہ گاروں کو بھی بُلا کر اپنے پاس بٹھایا' ان کو پچکارا' جھاڑا پونچھا' اور جو جتنے کام کے بن سکتے تھے' بنا دیا' جو جتنے کام میں لگ سکتے تھے' لگا دیا۔

آج' مستقبل کی حکمتِ عملی کو عملی جامہ پہنانے کے لیے' عوام کی دینی تعلیم و تربیت کے ضمن میں ہمیں کیا کام کرنا چاہیں ــــ اور ان میں سے اکثر کام روزِ اوّل ہی سے ہمارے پیش نظر تھے' اب صرف تلافی مافات کے لیے کمر باندھنا ہے ــــ ان کے بارہ میں ہم آیندہ گفتگو کریں گے۔ لیکن ہم نے جس اُمر کی نشاندہی "عوامیت" کے عنوان سے کی ہے' وہ ان تمام کاموں کو کماحقہٗ سرانجام دینے کے لیے سب سے اہم اور ناگزیر شرط ہے۔

سیّد احمد شہیدؒ کے اصلاحی دَوروں کے کچھ واقعات سنیے' جن کے ذریعہ انھوں نے حکومت اِلٰہی کے قیام کی خاطر جہاد کے لیے عوامی قوت فراہم کی:

"محمد عثمان بیعت میں داخل ہوئے' ان کی وضع بالکل سپاہیانہ تھی۔ آپ نے فرمایا! "بھائی' اگرچہ اس وقت تمھارا ظاہر اچھا نہیں' لیکن تمھارا باطن صاف ہے۔ اِن شاء اللہ چند دنوں میں ظاہر بھی باطن کی طرح ہو جائے گا"۔ ان کے گھر کی مستورات بھی بیعت ہوئیں۔

ہمت خان نے جب آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تو عرض کیا: "میں اپنے کھیت میں نماز پڑھا کرتا ہوں' مسجد نہیں جا سکتا"۔ آپ نے فرمایا کہ "تمھارے غلّہ کی پیداوار میں برکت ہوگی"۔

"سہارن پور میں ولی محمد نے جو بڑے متمول رئیس تھے بڑے اِعزاز و اہتمام کے ساتھ دعوت کی' اور اپنے تمام اِعزہ و عملہ کے ساتھ مرید ہوئے۔ ان کی یہاں کی مستورات بھی بیعت میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

داخل ہوئیں۔ ولی محمد صاحب نے درخواست کی : "اللہ کے فضل سے دنیاوی مال و دولت کی کمی نہیں، صرف یہ دعا چاہتا ہوں کہ اسراف و فضول خرچی سے اللہ محفوظ رکھے، اور اللہ کا دیا ہوا اللہ ہی کے راستہ میں کام آئے۔" آپ نے ان کی خواہش کے مطابق ان کے لیے اور ان کی ترقی ایمان کے لیے دعا فرمائی۔

سہارنپور میں قصابوں کی برادری کے کئی گھر تھے۔ ان میں اکثر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے۔ ہیئت ان کی یہ تھی کہ مونچھیں بڑھی ہوئی، زلفیں دراز، لنگوٹ بندھے ہوئے جس سے صرف شرم گاہ چھپی ہوتی۔ آپ نے ان کو نصیحت فرمائی کہ "تمھاری صورت بالکل ہندوؤں کی سی ہے۔ مونچھیں تراشو، زلفیں رکھنا چھوڑو، پاجامہ پہنو اور یہ لنگوٹ اتارو اور پنج وقتہ نماز کی پابندی کرو۔" انھوں نے سب باتیں قبول کیں۔

تحصیل دار دھوکل سنگھ آئے، اور کھڑے کھڑے عرض کیا کہ کل اس غلام کے ہاں جناب کی دعوت ہے۔ آپ نے فرمایا "تشریف رکھیے"۔ انھوں نے کہا "جب تک میری دعوت نہیں قبول ہوگی، نہیں بیٹھوں گا۔" آپ نے فرمایا: "قبول ہے۔"

ایک بازاری عورت تائب ہوئی۔ آپ نے بٹھانے کے لیے عورتوں کی کشتی کی طرف بھیجا۔ عورتیں چیخنے لگیں کہ یہ بازاری عورت ہے، ہم تو اپنی ناؤ پر نہیں بٹھائیں گے۔ مولانا عبدالحئی نے یہ بات سنی تو وہاں سے اٹھ کر کشتی کے قریب ہوگئے، اور عورتوں سے کہا: "تم اس نیک بخت کو اپنی ناؤ پر کیوں نہیں بٹھاتیں؟ آج اس نیک بخت نے سب برے کاموں سے توبہ کی ہے، اس وقت یہ تم سب سے افضل ہے، اور جو کچھ خدا اور رسولؐ کا شرعی حکم تم پر ہے وہی اس پر ہے۔" ان سب نے کہا: اگر یہی بات ہے، تو اس کو پردہ کرا کر چھت پر بٹھا دو۔" مولانا نے کہا: "چھت پر کیا تم میں سے کوئی نہیں بیٹھ سکتی، وہی کیوں بیٹھے؟" کچھ اور زیادہ گفتگو ہوئی، تو مولانا نے خفا ہو کر فرمایا: "اس میں عبدالحئی کی جو بیوی ہو، وہ چادر اوڑھ کر کشتی پر سے اتر آئے۔" دوبار کہنے سے تو وہ نہیں اتریں، تیسری بار، سر سے پاؤں تک چادر اوڑھ کر مولانا کی بیوی ناؤ سے اتر کر خشکی میں کھڑی ہوگئیں۔

(کلکتہ میں) رات کو عورتوں کا ہجوم ہوتا۔ کوٹھی کے زنانہ مکان کے متصل کمرہ تین چار سو عورتوں سے بھر جاتا۔ سید صاحب کمرہ کے دروازہ پر تشریف لاتے، اور دو تین پگڑیاں ان میں پھیلا دیتے اور فرماتے کہ "ان سب کو مل کر پکڑ لو۔" تب آپ ان سے بیعت کے الفاظ کہلاتے۔ پھر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کمرہ خالی کرا دیا جاتا' اور دوسری عورتوں سے بھر جاتا۔ اسی طرح ان سے بیعت لیتے۔ ہر شب کو آٹھ دس بار عورتوں سے وہ کمرہ بھرا جاتا اور خالی کیا جاتا"۔

یہ تو چند واقعات ہیں' ورنہ ایک ہی مصلح کی یہ حکایت بہت طویل بھی ہے' اور لذیذ بھی۔ ان واقعات کو بیان کرنے سے مقصود ان طریقوں کی تلقین کرنا یا ان پر بحث چھیڑنا نہیں جو اس زمانہ میں رائج تھے؛ مثلاً بیعت کا طریقہ' بلکہ عوامی اصلاح و تربیت کے مختلف اہم گوشوں کو آشکار کرنا ہے' جو ہر زمانہ میں پیش نظر رہنا چاہیں۔

ورنہ اس ضمن میں تو شیخ نظام الدین اولیا" کی یہ بات بڑی بالغ نظری پر مبنی ہے: "خدا تعالیٰ نے ہر زمانہ میں اپنی حکمتِ بالغہ کی ایک خاصیت پیدا کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ کے آدمیوں کا طریقہ اور رسم و رواج علیحدہ ہوتا ہے' اور زمانہ کی رفتار لوگوں میں اس درجہ اثر کرتی ہے کہ زمانہ موجودہ کے لوگوں کے مزاج اور طبیعت گزشتہ لوگوں کے طبائع سے بالکل مشابہت نہیں رکھتے۔ بہت کم آدمی ایسے ہوتے ہیں جن کی طبیعتیں پہلے لوگوں کی طبیعتوں سے جا ملتی ہوں۔ یہ بات تجربات سے خوب واضح ہوتی ہے۔

اس لیے اصلاح و تربیت کے لیے ہر زمانہ میں اُس زمانہ کے موافق جو طریقے ٹھیک ہوں' وہی اختیار کرنا چاہیں۔"

ایک خیال یہ بھی دل میں پیدا ہونا بجا ہے کہ اس پیمانہ کی عوامی اصلاح و تربیت کی تحریک برپا کرنا تو اسی پیمانہ کی شخصیتوں کے لیے ممکن تھا۔ آج کے زمانہ میں ایسی کوئی شخصیت نظر نہیں آتی' تو دینی تعلیم و تربیت کی تحریک کیسے برپا ہوگی۔ شخصیت کا رول یقیناً اہم ہے' آج بھی کوئی عظیم شخصیت ہو تو یقیناً یہ عظیم کام سرانجام دینا آسان ہوگا' لیکن اللہ تعالیٰ نے اس فریضہ کی ادائیگی کو شخصیت کی موجودگی سے مشروط نہیں فرمایا ہے۔ اگر شخصیت ناگزیر ہوتی' تو وہ یقیناً اس فریضہ کی ادائیگی کو اس شرط کے ساتھ مشروط فرماتا۔ لیکن امّت کے بارہ میں تو اس نے یہ بیان کیا ہے: (وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ: التوبہ ۹: ۷۱) یعنی "مومن مرد اور مومن عورتیں' یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں' بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں"۔ اور پوری انسانیت کے لیے اس نے اُمّت کو ذمہ دار بنایا ہے: (كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ: آل عمران ۳: ۱۱۰) یعنی "اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو' بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو"۔

ہمارے دلوں میں اللہ اور رسولؐ کی محبت کی چنگاری ہو' ربّ سے ملاقات کی تیاری کی فکر ہو' اور جذبۂ جہاد کا شعلہ ہو' تو دیئے سے دیا جل سکتا ہے' ممکن نہیں کہ جہاں حرارت ہو اس کی گرمی گردوپیش تک منتقل نہ ہو۔ اپنی چنگاری کو پھونکنے' اور اس سے دوسروں کے دلوں میں چنگاریاں جلانے ہی سے اپنے دل میں وہ حرارت اور استعداد پیدا ہوگی' جس کے بل پر ایک جماعت بھی ایک عظیم عوامی اصلاح و تربیت کی تحریک برپا کرسکے۔ اِن شَاءَ اللّٰہُ العَظِیم وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیز۔

یہ کام کیسے کریں' اس پر ہم اِن شَاءَ اللہ آیندہ شمارہ میں گفتگو کریں گے۔

آج میں ترجمان القرآن کے بارہ میں بھی آپ کے سامنے چند باتیں رکھنا چاہتا ہوں:

سیّد مودودیؒ سے لے کر محترم نعیم صدیقی صاحب تک' جس درجہ کے لوگوں نے اس رسالہ کی ادارت کی' ان کو دیکھتے ہوئے میں ہرگز اپنے کو اس کا اہل نہ پاتا تھا' نہ اندر سے یہ ہمت پاتا تھا کہ اس عظیم اور قیمتی امانت کا بار اٹھاؤں۔ لیکن کیوں کہ بزرگوں سے یہی سیکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی کام ڈال دے' اور اس سے اس کے دین کا اور خلقِ خدا کا نفع بھی وابستہ ہو' اور طبیعت میں عزم بھی پایا جاتا ہو' تو اللہ پر توکل کرکے اس کام کا بار اٹھا لیا جائے' مدد بھی وہی کرے گا' دستگیری بھی وہی کرے گا۔

اگست ۱۹۹۱ سے یہ گراں بار ذمہ داری میرے سپرد کی گئی۔ اُسی وقت سے دو عزائم سامنے تھے: ایک یہ کہ اس کو حسنِ ظاہر و باطن کے لحاظ سے خوب سے خوب تر بنانے کی اپنی سی کوشش کی جائے۔ دوسرے یہ کہ اس کی اشاعت وسیع سے وسیع تر کی جائے۔ جنوری ۱۹۹۴ میں یہ نوبت آئی کہ دونوں اہداف کے حصول کے لیے پیش رفت شروع ہو۔

یہ سراسر اللہ کا فضل تھا ـــــ اور اس پر میں اس کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے' جتنا سوچتا ہوں کہ کتنا بڑا فضل ہوا اتنا ہی اپنے شکر کی درماندگی کا احساس ہوتا ہے ـــــ کہ چار ماہ میں اس رسالہ کی اشاعت پانچ چھ ہزار سے بڑھ کر اکیس ہزار تک پہنچ گئی۔ یہ اضافہ بھی اللہ کے فضل کا نتیجہ تھا کہ اس نے بے شمار بھائیوں اور بہنوں کے دلوں میں میری درخواستوں کے لیے قبولیت پیدا کر دی۔ اور آپ کی انتھک محنت اور تعاون کے نتیجہ میں یہ اضافہ وجود میں آیا۔ اور اس محنت و تعاون کے لیے میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں۔ یہ اضافہ اس بات کی علامت بھی تھا کہ حسنِ

© rasailojaraid.com